

نیت کی فضیلت اور اس کی حقیقت

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: "إنما الأعمال بالنیات وإنما ل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته إلى دنیا یصیبها أو امرأة یتزوجها فهجرته إلى ما هاجر إليه". (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اعمال کا، دوسرے "نیت" کا، پہلے میں نیت کے متعلق عرض کروں گا اور اس کے بعد ان شاء اللہ اعمال کے متعلق بیان کروں گا۔

اخلاص نیت کی برکت:..... قرآن مجید اور احادیث میں جا بجا ترغیبات موجود ہیں کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار نیت پر ہے اور نیت کے فضائل اور اس کا ثواب قرآن و حدیث میں اکثر جگہ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ خدا تعالیٰ نے فقراء مسلمین کے بارے میں آیت نازل فرمائی جس کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ کے سردار اور رؤساء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہم آپ کی بات اس شرط پر سننے کو تیار ہیں کہ جس وقت ہم لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان غریب اور کم درجہ کے لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، کیونکہ ہمیں ان کے ہمراہ بیٹھنے میں سخت عار آتی ہے اور ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم اتنے بڑے بڑے لوگ ایسے کم درجہ کے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ جب ان لوگوں نے آپ سے یہ درخواست کی تو آپ اس سلسلے میں متردد تھے، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَ﴾ آپ (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو الگ نہ کریں جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں جس سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔

یعنی ان کی عبادت اور اللہ کو پکارنا محض اخلاص اور نیک نیتی سے ہے اور کوئی غرض ان کی اس میں شامل نہیں۔ یہی مطلب ہے لفظ "یُرِيدُونَ وَجْهَ" کا، تو خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ان سرداروں اور رؤساء

اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاص اور نیک نیتی کی خدا تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر ہے اور اس کا کتنا مرتبہ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ نعوذ باللہ نبی کو امیروں سے ان کی امارت کی بنا پر محبت اور انس ہو اور غریبوں سے ان کے افلاس اور فقر کی وجہ سے نفرت ہو بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس امر میں متردد تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ حرص تھی کہ اگر میں چند منٹ کے لئے ان سردارانِ مکہ کی اس بات کو مان لوں اور تھوڑی دیر کے لئے دعوتِ اسلام کے خاطر ان سے تجلیہ میں گفتگو کر لوں تو ممکن ہے کہ یہ اسلام لے آئیں اور اس طرح ان کو ہدایت ہو جائے، پھر یہ امراء، امراء نہیں رہیں گے، بلکہ دل سے دیسے ہی درویش صفت ہو جائیں گے، جیسے کہ یہ فقراءِ مسلمین ہیں، تو گویا آپ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ چند روز کی بات ہے، پھر جب خدا تعالیٰ ان کو اسلام لانے کی توفیق دے دے گا تو پھر یہ معاملہ ہی نہیں رہے گا۔

غرض آنجناب کو جو اس جانب میلان خاطر تھا وہ اس بنا پر تھا کہ آپ ان امراء کو فقراء صفت بنانا چاہتے تھے اور فقراءِ مسلمین چونکہ سرتاپا جاں نثار اور غلام تھے، اس لئے ان کو بھی گرائی کے ہونے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ یہ مصالحت تبلیغ و دعوت تھیں جن کی بنا پر آپ کا خیال مبارک اس بارے میں متردد تھا، مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اور اس کی بارگاہ میں کسی کی پروا نہیں، اس لئے فرمایا کہ خواہ یہ امراء اسلام لائیں یا نہ لائیں آپ پروا نہ کریں، لیکن ان مسلمانوں کو جو اخلاص اور نیک نیتی سے صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں، اپنے دربار سے نہ ہٹائیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ اتنا بڑا اعزاز و اکرام ان فقراءِ مسلمین کا فرمایا اور ان کو ان سرداروں کے مقابلہ میں اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا، اس کی علت کیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ سوا اس کی جو علت خود حق تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ ”یُريدون وجهه“ یعنی یہ مرتبہ ان کو اس لئے عطا کیا جا رہا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو اس کی رضا اور خوشنودی کی تلاش ہے، کوئی دنیوی غرض یا اپنی ذاتی خواہش نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جو اپنی نیتوں کو خدا کی رضا جوئی کے لئے خالص کر لیا تھا اس اخلاص اور نیک نیتی کی یہ برکت ہے کہ ان کو اس مرتبہ عظمیٰ پر فائز کیا گیا اور فقط اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ حکم دیا ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا﴾ اس میں بھی یہی ذکر ہے کہ جب یہ فقراء آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کو سلام کیجئے اور ہمارا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر رحمت نازل کرنے کو اپنے اوپر لازم فرمایا ہے۔ تو یہ اعزاز بھی اسی نیک نیتی اور اخلاص کی بنا پر ہو رہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لوگ آئیں تو نبی ان کو سلام کریں اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہوں تو وہ ان پر رحمت فرمائیں اور تیسرا اعزاز یہ کہ امراء آئیں یا نہ آئیں، کوئی پروا نہیں، مگر ان لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

اچھی نیت عمل خیر سے بہتر کیوں؟..... اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”نبیہ المؤمن خیر من عملہ“ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، اس حدیث کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے جو درحقیقت اختلاف نہیں بلکہ اس حدیث کی مختلف تفسیریں اور تعبیریں ہیں۔ دراصل بظاہر اس حدیث میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ عمل کرنے سے نیت کا درجہ کیسے بڑھ سکتا ہے، کیونکہ نیت تو عمل سے پہلے ہوتی ہے، پھر اس میں مشقت بھی کچھ نہیں اور عمل میں مشقت ہے۔ اس لئے بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ انسان کئی قسم کے ہیں، ایک وہ کہ انسان نیک نیتی کرے اور عمل نہ کرے اور دوسرا وہ جو عمل تو کرتا ہے مگر نیت ٹھیک نہیں ہے، مثلاً عمل میں ریاء کا شائبہ ہے یا کسی دنیوی غرض کو حاصل کرنے کے لئے نیک کام کر رہا ہے، تو چونکہ اس دوسرے شخص کی نیت ٹھیک نہیں، اس لئے اس کے عمل کا بھی کوئی ثواب نہیں، بلکہ ریاء وغیرہ کا گناہ ہوگا، بخلاف اس شخص کے کہ جس نے صرف نیت کی تھی، اس کو نیت کا ثواب تو مل گیا گو وہ عمل نہ کر سکا اور پہلے شخص کو نہ نیت کا ثواب ملا اور نہ عمل کا تو اس صورت میں نیت عمل سے بڑھ گئی، کیونکہ بہر حال وہ نیت ثواب کا باعث ہوئی اور یہ عمل کچھ بھی نہ ہوا۔

بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ عمل تو ہوتا ہے محدود اور نیت انسان غیر محدود کی بھی کر سکتا ہے، تو اس صورت میں نیت عمل سے بڑھی ہوئی ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک تو ایسا شخص ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا ہے اور علم بھی، اب وہ اس مال کو اپنے علم کے مطابق صحیح جگہوں میں خرچ کرتا ہے، یعنی جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کرتا ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت ہے، وہاں خرچ کرنے سے رک جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ شخص ایسا ہے کہ اس کو اجر اور ثواب بہت ملے گا، کیونکہ جہاں جہاں اس کو خرچ کرنے کی ضرورت ہوگی، دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کرے گا اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کے پاس نہ مال ہے اور نہ علم ہے، وہ اس کو دیکھ دیکھ کر حسرت کھاتا اور رشک کرتا ہے کہ کاش! خدا تعالیٰ مجھے بھی اسی طرح مال دیتا اور میں اس کو خدا کی راہ میں اس شخص کی طرح خرچ کرتا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہما فی الاجر سواء“، یعنی یہ دونوں اجر اور ثواب میں برابر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس دوسرے کے پاس مال و دولت نہیں ہے، مگر اس کی نیت تو ہے کہ اگر ہوتا تو میں خرچ کرتا، تو چونکہ یہاں اس کی نیت شامل ہوگئی، اس لئے اس کو اجر و ثواب میں اس کے برابر کر دیا گیا۔

تیسرا وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو مال دیا مگر اس نے علم حاصل نہیں کیا، اس لئے اپنے مال کو اناہدہ اور عیش پرستیوں اور فضول خرچیوں میں خرچ کر رہا ہے اور کسی مفلس آدمی نے اس کو دیکھ کر کہ یہ شخص تو خوب مزے اڑا رہا ہے اور عیش کر رہا ہے، اس لئے اس نے بھی یہ حسرت کی کہ اگر مجھے مال ملے تو میں بھی یوں ہی عیش اڑاؤں اور دنیا کے مزے لوٹوں، تو فرمایا کہ یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں، تو یہ برابری محض نیت کی وجہ سے ہوئی، اس لئے انسان کو چاہئے کہ اگر کسی کو

نیک کاموں میں خرچ کرے دینے والا ہے۔ www.rasailojaraid.com نیک کاموں میں خرچ کرنا اور کسی کو دیکھو کہ وہ اپنے مال کو بے جا خرچ کر کے گناہ میں مبتلا ہے تو یہ کہو کہ خداوند تیرا احسان ہے اور شکر ہے کہ تو نے مجھے دیا ہی نہیں کہ میں اس خرافات میں خرچ کرتا۔

بعض اولیاء کرام کے کلام میں دیکھا کہ دو چیزیں عجیب و غریب ہیں: ایک توبہ اور دوسری نیت، یہ دونوں عجیب و غریب اس لئے ہیں کہ نیت کا کام ہے کہ معدوم چیز کو موجود بنادینا، مثلاً ہم نے کوئی عمل نہیں کیا مگر نیت کر لی تو ثواب ملے گا تو بغیر عمل کے ثواب ملنے کا یہی حاصل ہوا کہ عمل موجود نہیں مگر نیت نے اس کو موجود کر دیا اور دوسری چیز توبہ ہے جو موجود کو معدوم کر دیتی ہے کیونکہ انسان خواہ ستر (۷۰) برس تک گناہ کرتا رہے بلکہ شرک و کفر میں بھی مبتلا رہے، جب بارگاہ الہی پر ایک سجدہ کیا اور معافی مانگی سب یک قلم معاف اور گناہوں کا ایک بے شمار ذخیرہ جو موجود تھا اس کو ایک مخلصانہ توبہ نے معدوم کر ڈالا، یہ دونوں نعمتیں خدا تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا کی ہیں، عجیب نعمتیں ہیں ”فَللّٰہ الحمد حمداً کثیراً“۔

جو حدیث ابتداء میں میں نے ذکر کی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت ہے، جنی اعمال بمنزلہ جسم کے ہیں اور نیت بمنزلہ روح کے ہے۔ جس درجہ کی نیت ہوگی اسی درجہ کا عمل ہوگا، اگر اچھی نیت ہے تو عمل بھی اچھا ہوگا اور فاسد نیت ہے تو عمل بھی فاسد ہوگا اس سے بھی ”نبیۃ المؤمن خیر من عملہ“ کا نیا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ جب نیت بمنزلہ روح کے ہے اور عمل بمنزلہ جسم کے ہے تو ظاہر ہے کہ روح کا درجہ جسم سے بڑھا ہوا ہے۔

آج کل کے فلسفیوں کو اور مادہ پرستوں کو اس جگہ یہ اشکال پیش آتا ہے کہ یہ باتیں محض مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں اور محض سنی سنائی باتیں ہیں اور اس کے لئے کوئی عقلی دلیل نہیں، کیونکہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے منکر ہے کہ عمل کا دار و مدار نیت پر ہو، لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے، اس کے لئے عقلی دلیل بلکہ مشاہدہ موجود ہے، دیکھئے، آپ باپ ہونے کی حیثیت سے اپنے بچے کے طمانچہ ماردیں تو اس سے اس بچے کے دل میں جو آپ کی محبت ہے، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، لیکن اگر آپ کسی محلے کے بچے کے طمانچہ ماردیں تو اس بچے کو بھی ناگوار ہوگا اور اس کے والدین اور سرپرستوں کو بھی ناگوار گزرے گا، سوچنا چاہئے کہ آخر یہ فرق کیوں ہوا؟ وہی نیت کا فرق ہے کہ اپنے بچے کو مارنے میں اس کی اصلاح اور تربیت مد نظر ہے اور محلے کے بچے کو مارنے میں یہ چیز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص سے نادانستہ کسی کا نقصان ہو جائے کہ اس کی نیت اور ارادہ اس نقصان کرنے کا نہیں تھا، مگر لاعلمی اور غیر اختیاری طور پر وہ نقصان ہو گیا تو اگر یہ دوسرا شخص عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور عدالت میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کام اس نے قصداً نہیں کیا بلکہ نادانستہ ہو گیا ہے تو عدالت اس کو سزا نہ دے گی اور اگر دے گی تو اس درجہ کی سزا نہ دے گی جیسی کہ قصداً کرنے میں دی جاتی، تو جب دنیا کے احکام نیت سے بدل جاتے تو آخرت کے احکام بطریق اولیٰ بدل

جائیں گے، حدیث ”نبۃ المؤمن خیر من عملہ“ کی ایک توجیہ علماء نے یہی کہی ہے کہ نیت ایک ایسا فعل ہے کہ اس میں ریاء کا احتمال نہیں، اس لئے یہ عمل سے بہتر ہے، کیونکہ عمل میں ریاء کا احتمال ہے اور ایک توجیہ اس کی امام غزالیؒ نے لکھی ہے، وہ یہ کہ عمل کا تعلق تو اعضاء ظاہری سے ہے اور نیت کا تعلق باطن سے ہے، تو اس کی مثال ایسی ہے کہ اطباء جو مریضوں کو دوا دیتے ہیں ان میں بعض تو اوپر لیپ کرنے کی ہوتی ہیں اور بعض دوائیں پلانے کی ہوتی ہیں، تو ظاہر ہے جو دوا جسم کے اندر پہنچ کر اپنا اثر کرے گی، وہ زیادہ موثر ہوگی بہ نسبت اس دوا کے جو اوپر سے لیپ کے طور پر لگا دی جائے، اس طرح نیت اور عمل کا حال ہے۔

نیت کی لغوی و شرعی تعریفیں:..... اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ لفظ ”نیت“ کے معنی کیا ہیں؟..... نیت کے معنی لغت میں قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں، مگر حقیقت اس کی قصد اور ارادہ کے سوا کچھ اور ہے۔ یوں سمجھئے کہ نیت کی حقیقت یہ ہے کہ نیت ایک قلبی صفت اور کیفیت کا نام ہے جو علم اور عمل کے درمیان میں ہے۔ اس کو مثال سے سمجھئے کہ مثلاً پہلے تو انسان کو علم حاصل ہوتا ہے کہ فلاں کام میں نفع ہے یا نقصان ہے، جیسے تجارت میں نفع ہونے کا کسی کو علم ہوا کہ اگر تجارت کی جائے تو نفع ہوتا ہے یا کھیتی کرنے سے غلہ پیدا ہوگا۔ یہ تو سب سے پہلا درجہ ہے جو علم کا درجہ کہلاتا ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان عمل شروع کر دے جیسے تجارت کا مال خرید کر دکان میں لگا کر بیٹھ جائے یا کھیتی کرنے کیلئے ہل وغیرہ چلانا شروع کر دے، یہ عمل کا درجہ ہے اور ان دونوں کے درمیان جو چیز ہے وہ نیت ہے جس سے عمل اور کام کرنے کی ایک آمادگی پیدا ہوئی بس یہی نیت کا درجہ ہے۔

امام غزالیؒ نے اس کی تعریف اور حقیقت کو دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں: ”انبعث القلب الی ما یراہ موافقا بغرضہ من جلب منفعة أو دفع مضرة حالا أو مآلا“، یعنی کسی کام کے لئے دل کا کھڑا ہونا اور آمادہ ہو جانا کہ جس کو دل اپنی غرض کے موافق پاتا ہو خواہ وہ غرض جلب منفعت ہو یا دفع مضرت ہو، عام ہے، اس لئے کہ وہ غرض فی الحال ہو یا فی المال ہو۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ اعمال کا دار و مدار دل کے کھڑے ہو جانے پر ہے۔ اگر دل خدا کے لئے کھڑا ہو گیا تو وہی حکم ہوگا اور اگر دنیا کے لئے کھڑا ہوگا تو وہی حکم ہوگا۔ غرض اعمال کی روح نیت ہے، اگر نیت اچھی ہے تو عمل بھی مقبول ہے ورنہ مردود، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں: قسم اول تو وہ اعمال ہیں جو طاعت کہلاتے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، خیرات وغیرہ اور دوسری قسم وہ کہ جو مباحات کہلاتے ہیں، یعنی جن کے نہ تو کرنے سے کوئی گناہ ہے اور نہ ان کو ترک کرنے سے کوئی گناہ، جیسے کپڑا پہننا، کھانا کھانا، خوشبو لگانا وغیرہ اور تیسری قسم اعمال کی معاصی ہیں یعنی وہ اعمال جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے اور ان کے کرنے میں گناہ ہے۔

کن اعمال کا مدار نیت پر ہے؟..... اب اس حدیث میں جن اعمال کا ذکر ہے اس سے اعمال طاعت اور اعمال مباح مراد ہیں۔ معاصی یعنی اعمال معصیت اس سے مراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر طاعات اور مباحات میں نیت اچھی

ہوئی تو نیت کے مطابق ان کی فضیلت بڑھ جائے گی مگر گناہوں میں نیت خواہ کتنی بھی اچھی ہو وہ گناہ، گناہ ہی رہے گا، مثلاً کوئی شخص چوری اس نیت سے کرے کہ میں اس سے غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا یا کوئی رشوت اس نیت سے لے کہ میں مسجد بنواؤں گا تو یہ چوری اور رشوت گناہ ہی رہیں گے اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا، اس لئے معصیت میں حسن نیت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عمل معصیت کی بنا پر وہ اچھی نیت بھی فاسد ہو جائے گی۔ طاعت میں نیت خالص اللہ کے لئے کرنی چاہئے اور اس میں کوئی پابندی نہیں، ایک عمل میں جتنی نیتیں کر لو گے اتنا ہی ثواب ملتا چلا جائے گا، مثلاً مسجد میں حاضر ہونا عبادت ہے، اگر کوئی شخص اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہو رہا ہوں تو اس کو دو ثواب ملیں گے اور اگر کسی نے اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لی کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، میں اس میں جا رہا ہوں اور جو کوئی کسی کے گھر جاتا ہے وہ اس کی زیارت کرنے کو جاتا ہے اس لئے میں اللہ کی زیارت کرنے کے لئے جا رہا ہوں، تو ایک اجر اور مل جائے گا اور اگر کسی نے اس کے ساتھ یہ نیت بھی کر لی کہ کسی کے گھر جانے سے انسان اس کا مہمان ہوتا ہے تو میں خدا کا مہمان بننے کے لئے اور اس کی مہمانی کے مزے لوٹنے کو مسجد میں جا رہا ہوں تو ایک اجر اور بڑھ گیا اور اگر کسی نے یہ نیت بھی کر لی کہ مسجد میں نیک لوگ اور فرشتے ہوتے ہیں لہذا ان سے برکت بھی حاصل ہوگی، تو اس صورت میں ایک اجر اور بڑھ جائے گا اور اگر کسی نے یہ بھی نیت کر لی کہ میں تو روسیاء اور گنہگار ہوں اور وہاں پر اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے بھی ہوں گے اس لئے میری روسیائی اور گنہگاری ان کی برکت سے دھل جائے گی تو اس نیت کا ثواب بھی بڑھ جائے گا اور اگر یہ نیت بھی ساتھ ملا لے کہ جتنی دیر مسجد میں بیٹھوں گا، گناہوں سے محفوظ رہوں گا تو ایک اجر اور بڑھ جائے گا۔ نیز فقہاء نے لکھا کہ اعتکاف نفل چند گھنٹوں بلکہ چند منٹ کا بھی ہو سکتا ہے تو اگر مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی بھی نیت کر لی تو اعتکاف کا ثواب بھی ملا۔

غرض اپنی عقل سے سوچ کر جتنی چیزوں کی نیت کرتے جاؤ گے اتنا ہی اجر بڑھتا جائے گا۔ آخرت کی تجارت میں انسان کو اپنی عقل خرچ کرنی چاہئے۔ غرض خدا تعالیٰ کا خزانہ کھلا ہوا ہے وہاں ایک ہی نیت نہ کرو بلکہ ایک ایک کام کی نیت کرو تا کہ اجر بڑھتا چلا جائے، وہاں کوئی کمی نہیں اور نہ ہی دینے میں ان کو کوئی مشقت ہوتی ہے، جیسے صدقہ و خیرات کرنا ثواب کا کام ہے مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ صدقہ کے مستحق سب سے زیادہ اپنے قریبی عزیز ہیں، تو اگر کوئی صدقہ کرتے وقت اپنے عزیزوں کو دے اور نیت کرے کہ چونکہ یہ ضرورت مند ہیں، اس لئے ان کو اپنی حاجت رفع کرنے کے لئے دے رہا ہوں، تو دینا ثواب ملے گا۔

صدقہ دینے میں حضرت عمرؓ کا اصول:..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ کو صدقہ دینے کے بارے میں ایک اصول اور ضابطہ بنا رکھا تھا، وہ یہ کہ جو بعض رشتہ دار تو انسان سے کسی وجہ سے ناخوش رہتے ہیں اور بعض خوش اور راضی دتے ہیں تو آپ ان رشتہ داروں کو دینا زیادہ پسند کرتے تھے جو ناخوش رہتے ہیں اور قرآن مجید میں عباد مخلصین کے

متعلق ارشاد ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے ﴿لا نريد منكم جزاء ولا شكورا﴾ ہم (صدقہ دے کر) تم سے بدلہ اور شکر گزاری کے طلب گار نہیں ہیں، تو چونکہ شکر یہ کا طلب کرنا بھی ایک طرح کا بدلہ چاہنا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ روٹھے ہوئے رشتہ داروں سے شکر گزاری کی توقع نہیں ہوتی، اس لئے میں ان کو دینا پسند کرتا ہوں، یا مثلاً کوئی شخص بے نمازی ہے اس کو اس نیت سے صدقہ دیا کہ جب میں اس کو دوں گا تو یہ مجھ سے مانوس ہو جائے گا اور پھر اس کو نماز کے لئے ترغیب دے دوں گا تو اس کا اجر بھی بڑھ جائے گا، اسی طرح دکان کھولنا، خوشبو لگانا، مکان بنانا وغیرہ، یہ سب کام مباح ہیں، نہ ان کے کرنے میں کچھ گناہ ہے، نہ ثواب، لیکن اگر مثلاً دکان اس نیت سے کھولی کہ اس کے ذریعے سے روپیہ کمائوں گا اور غرباء اور مساکین کی مدد کروں گا اور مسلمانوں کو ضروریات مہیا کروں گا تاکہ ان کو سہولت ہو اور کافروں سے خریدنے کی مسلمانوں کو ضرورت نہ رہے اور اس کی وجہ سے مجھے دنیا والوں سے استغنا ہو جائے گا اور روپیہ خدا کی راہ میں اور جہاد میں خرچ کروں گا، ثواب دکان تجارت گاہ نہیں بلکہ عبادت گاہ بن گئی۔

تو دیکھئے کہ نیت کی برکت سے تجارت بھی عبادت بن گئی۔ اب اس کا ہر لمحہ گویا عبادت میں گزر رہا ہے، پھر اگر خدا کسی کو تجارت میں نفع دے اور خدا خواستہ اس کے دل میں نگر اور علو پیدا ہو جائے تو یہ وبال ہے، مثلاً آپ اپنی دکان پر بیٹھے ہیں، سامنے میز بچھی ہے، بجلی کا پنکھا چل رہا ہے، سامنے ٹیلی فون رکھا ہے اور سامنے سڑک پر کوئی گداگر فقیر خستہ حال گزرتا تو اس کو دیکھ کر اپنی حالت پر ناز نہیں کرنا چاہئے بلکہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کا لاکھ لاکھ احسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھے اتنا دے رکھا ہے وہ اگر چاہتا تو اس کا برعکس بھی کر سکتا تھا، ایسے وقت میں بجائے تکبر اور فخر کے شکر کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ میرا فرض ہے کہ ایسے ناداروں کی خبر گیری کروں اور مجھ پر جو خدا کی نعمتیں مہذول ہیں ان کا شکر کروں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:..... حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بعد جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جس کی کوئی مدت متعین نہیں، حالانکہ جن لوگوں کو جہنم میں بھیجا جائے گا ان کے اعمال کفر محدود ہیں اور جن کو جنت میں بھیجا جائے گا ان کے اعمال صالح بھی محدود ہیں تو اس محدود کی جزا محدود کیوں مقرر کی گئی؟ حضرت حسن بصریؒ نے اس اشکال کا بھی جواب دیا ہے کہ چونکہ عمل کرنے والے کی نیت دوام کی تھی، اس لئے جزاء بھی دائمی مقرر ہوئی، کافر کی نیت یہ تھی کہ اگر ایک کروڑ سال کی عمر ملے تو کفر ہی پر قائم رہوں گا، اسی طرح مومن کی بھی یہی نیت ہے کہ کتنی ہی عمر دراز کیوں نہ ہو، ایمان پر قائم رہوں گا، نیت چونکہ دوام کی ہے اس لئے جزاء بھی دائمی ہے، آج کل زمانہ ایسا ہے کہ لوگ دین اور عمل کے نام سے گھبرانے لگے ہیں، کہتے ہیں کہ نیت خالص کیسے ہو سکتی ہے، سو انسان کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ عمل شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ اپنی نیت درست کرے پھر بارہا نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

شیخ الہندؒ کا ارشاد:..... حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن دہلویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو چاہئے کہ عمل شروع

کرنے سے قبل اپنی نیت درست کر لے، بعد میں اگر نیت میں کچھ خلل آئے تو پروا نہ کرے، شیطان اگر دوسو ڈالے تو التفات نہ کرے، جواب جاہلان باش خموشی۔ ایک بزرگ تھے انہوں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت عجب کشمکش میں مبتلا ہوں، نفلیں پڑھنے کو دل چاہتا ہے مگر جب پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو ریا ہوتی ہے اور اگر ریا کی وجہ سے نہ پڑھوں تو نفلوں سے محروم رہتا ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ شیخ نے کہا کہ نفلیں تو ریا سے پڑھ لیا کرو اور بعد میں ریا سے توبہ کر لیا کرو، سو اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو نیک کام کرنا ہو مگر گزرے اور اگر بعد میں محسوس ہو کہ اس میں ریا و نمود کا شائبہ ہے، تو اس سے استغفار کر لے۔

شیطان سے بچنے کا راستہ:..... نیت کی ایک عجیب فضیلت قرآن مجید سے سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ قرآن مجید میں ہے کہ جب شیطان مردود ہوا اور وہاں سے نکالا گیا تو اس نے کہا: ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوْيَنَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ﴾ قسم ہے تیری عزت و جلال کی میں یقیناً ضرور ان کو (یعنی اولادِ آدم کو) گمراہ کروں گا مگر جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان سے بچنے کا راستہ سوائے حسن نیت اور اخلاص کے اور کوئی نہیں ہے اور اس میں کوئی مشقت نہیں کہ نیت کو کام کرنے کے وقت خالص کر لیا جائے اور اگر اس کے بعد بھی کسی کے دل کو تسلی نہ ہو اور دل اس سے راضی نہ ہو تو سمجھ لے کہ یہ شیطان کا دوسوہ ہے جو اس طرح مجھے نیک کام ہکرنے سے روک رہا ہے، ایسے وقت میں اس سے کہہ دے کہ مجھے تیری کچھ پروا نہیں تو کتنا ہی مجھے بہکا اور میرے پیچھے پڑ، میں یہ کام کر کے چھوڑوں گا اور اگر پھر بھی دل میں کچھ خلش رہ جائے تو خدا سے دعا کرے کہ اے اللہ میں کمزور ہوں، میری دستگیری فرما۔

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا کہ ان کو حکومت وقت نے جیل میں بند کر دیا تو جیل میں ان کا معمول تھا کہ جب جمعہ کا دن آتا تو غسل کرتے، کپڑے بدلتے اور جب اذان کی آواز آتی تو جیل خانے کے دروازے تک تشریف لے جاتے، پھر لوٹ آتے، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿وَإِذَا نَادَى لِلْمَلَأُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ جب جمعہ کے دن اذان ہو جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو۔ سو میں اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے تیاری کرتا ہوں اور جہاں تک جاسکتا ہوں چلا جاتا ہوں، تو اس طرح ان بزرگ کو جمعہ کی نماز پڑھنے کا ثواب مل جاتا تھا، لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ شیطانی وسوس کی پروا نہ کریں اور کہہ دیں کہ میں تو اللہ کے لئے اس کام کو ضرور کروں گا، تو بلا سے راضی ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہماری نیتوں کو درست فرمائے اور حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین و آخر دعوانا ان

الحمد لله رب العالمین

